تصریحات

پچیس مارچ کی شام اسلامیانِ عالم کے لئے انتہائی رنج دہ اور المناک خبر لے کے آئی کہ والیٔ حرمین۔ شاہ فیصل ایک قاتل کی گولی کا نشانہ بن گئے اور اس طرح تاریکیوں میں جلنے والا وہ چراغ ہمیشہ کے لئے گُل ہو گیا جس نے برسہا برس تک امتِ مسلمہ کے اندھیاروں کو اجیالوں میں بدلنے کے لئے اپنے لہو کا آخری قطرہ تک ٹپک دیا۔

موت کا ایک دن معین ہے اور اس سے کسی کو رستگاری نہیں لیکن بعض لوگوں کی موتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے غم مدتوں تک بھلائے نہیں جا سکتے۔ شاہ فیصل بھی انہی لوگوں میں سے تھے کہ جن کی موت ایک عالم کو رُلا گئی اور نہ جانے کب تک اس کا غم تازہ رہے اور پھر ایسے وقت میں جبکہ ان کی زندگی کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت تھی اور فلسطینی حریت پسند مصر و شام اور لبنان کے غازی ان کی فراست اور تدبر کے کہیں زیادہ محتاج تھے، فلپائن، اری ٹیریا، کشمیر اور افریقہ کے دیگر علاقوں کے مظلوم مسلمان انکے سہارے اور ان کی امداد کے زیادہ ضرورت مند تھے۔ خلیج کی ریاستیں، پاکستان اور عالم اسلام ان کے ایثار، ان کے خلوص اور ان کی راہنمائی کا زیادہ طلب گار تھا۔ لیکن ع

تجری الریاح بما لا تشتہی السفن

کہ "ہوائیں اس طرف کو چلتی ہیں جدھر کشتیوں کا رخ نہیں ہوتا"

——— اور یقیناً اس میں بھی کوئی اللہ کی حکمت اور مصلحت ہو گی۔ بہرحال ہم اپنے علم سے سوچتے اور اپنی فکر سے جانچتے ہیں کہ شاہ فیصل کی اس وقت کی موت پوری اسلامی دنیا ہی کے لئے نہیں بلکہ کرہ ارضی کے بسنے والے تمام مسلمانوں کے لئے ایک صدمۂ جانکاہ اور ایک المیۂ بے پناہ ہے کہ وہ اپنی اسلام دوستی اور مسلمان پروری کے باعث تمام مسلمانوں کے پیشوا ہونے کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔

بہت سے لوگوں نے شاہ فیصل کو سن یا پڑھ رکھا ہے لیکن میں نے انہیں انتہائی قریب سے دیکھا اور بہت قریب سے پڑھا، زمانۂ ولیعہدی سے لے کر شاہ سعود مرحوم سے اختلافات تک اور سریر آرائے سلطنت سے قیادت و امامت کے منصبِ عظیم پر فائز ہونے تک میں نے ان تمام مراحل میں انہیں پڑھا، سنا، دیکھا، جانا اور کبھی ان میں تغیر اور تبدیلی نہیں پائی۔ ماسوا اس کے کہ جوں جوں ان کی شان بڑھتی گئی، ان کا مقام بڑھتا گیا، ان میں تواضع آتی گئی، ان کا انکسار بڑھتا گیا۔

میں نے انہیں سب سے پہلے ۶۳ء میں جبکہ میں مدینہ یونیورسٹی میں طالب علم کی حیثیت سے گیا، ریاض میں دیکھا۔ تب وہ ولی عہد تھے۔ وقار، متانت اور سنجیدگی کا مرقع، سیاسیاتِ عالم سے باخبر اور سیاسیاتِ داخلہ سے متفکر، پھر ۶۵ء میں بادشاہ کی حیثیت سے مدینہ یونیورسٹی میں ایشیائی طالب علموں کی طرف سے انہیں سپاسنامہ پیش کرنے اور ان سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ وہی متانت، وہی سنجیدگی، وہی وقار لیکن اس فرق کے ساتھ کہ داخلی معاملات سے مطمئن اور عالمِ اسلام کے بارے میں مضطرب تھے

۶۶ء میں علماء کے ایک وفد کے ساتھ جدہ میں ملاقات کے وقت ان کی سادگی نے دل پر بے پناہ اثر کیا، وہ قلب جدہ میں ایک چھوٹے سے محل میں اقامت گزیں تھے کہ جس سے خوب تر اور بہتر عمارتیں جدہ ہی میں عام لوگوں کی اقامت گاہیں تھیں۔ اس زمانے میں ناصر ازم کا دور دورہ تھا اور ہر چہار طرف سے شاہ فیصل پر طعن و تشنیع اور سب و شتم کی یلغاریں تھیں لیکن ایسے عالم میں بھی شاہ انتہائی مطمئن اور ان معاملات سے بالکل مستغنی اور لاپرواہ دکھائی دیتے تھے، مجھے یاد ہے کہ تب ان کے اس استغنار کو دیکھ کر شرکائے وقت میں سے ایک برگزیدہ شخص نے شاہ کی توجہ صوت العرب (قاہرہ کی نشریات) کی طرف دلائی اور ناصر مرحوم کے استہزار اور تمسخر کا تذکرہ کیا، یمن میں مصری کارروائیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سعودی سرحدوں پر منڈلاتے ہوئے خطرات کی نشاندہی کی لیکن شاہ نے ایک خندۂ لب کے سوا اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جب ایک اور شخص نے ناصر کے نازیبا کلمات دوہرائے اور شاہ کا اس پر ردّ عمل جاننا چاہا تو شاہ نے جواب میں کہا، آپ مجھ سے اس بات کی توقع نہ رکھیں کہ میں بھی ایک عامی کی سطح پر اتر کر اس کے بارے میں عامی زبان استعمال کروں۔

۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے بعد سعودی عرب میں اقامت کے دوران کی آخری ملاقات ہوئی۔ میں نے زندگی میں کسی شخص کو اتنا غمزدہ اور رنجیدہ نہیں دیکھا جتنا کہ اس دن دنیا کے سب سے امیر ملک کے سب سے بااختیار حکمران کو دیکھا۔ وہ قبلۂ اولیٰ کے مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن جانے پر

رنج والم کی تصویر بنے ہوئے تھے اور بار بار مسلمانوں کی اس پستی اور زوال پر اظہار افسوس کرتے تھے اور انہی دنوں انہوں نے اپنا مشہور عالم خطبہ دیا کہ جب تک مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان نہیں ہونے اور جہاد کو اپنا مطمح نظر اور مقصدِ حیات نہیں بناتے تب تک وہ کائنات میں سربلند نہیں ہو سکتے اور پھر اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے خزانوں کے منہ ان عام لوگوں کے لئے کھول دیئے جنہیں اس جنگ میں کسی بھی قسم کا نقصان پہنچا تھا اور اس سلسلہ میں اپنا سارا مال، اپنی ساری دولت اور اپنے ملک کے سارے وسائل مصر و شام کی ان حکومتوں کے تصرف میں دے دیئے جو کل تک انہیں قتل کرانے کے منصوبے اور انہیں تخت و تاج سے محروم کرنے کی سازشیں کرتی رہی تھیں۔ اور یہیں سے شاہ فیصل کی عظمت اور ان کی قیادت و زعامت کا وہ دور شروع ہوا کہ رفتہ رفتہ جس کے نیچے شام کے باسی، مصر کے ناصری، عراق کے اشتراکی اور تیونس کے بورقیبی آتے چلے گئے۔

۱۹۷۱ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ نے ایک مرتبہ پھر شاہ فیصل کو اسی طرح نڈھال کر دیا جس طرح وہ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد نڈھال ہو گئے تھے۔

۱۹۷۲ء میں جب مجھے شاہ کی دعوت پر جدہ کانفرنس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا، تب میں نے دیکھا کہ شاہ نے کانفرنس کی افتتاحی تقریر کا بیشتر حصہ پاکستان کی حمایت، بھارت کی مذمت اور بنگلہ دیش کی مخالفت کے لئے صرف کر دیا۔ انہوں نے اس زور جذبے اور اخلاص سے پاکستان کی حمایت اور پاکستان دشمنوں کی مذمت کی کہ شاید نہیں بلکہ یقیناً پاکستان کا اپنا وفد بھی اس کے مقابل اسکے دسویں حصے کا بھی مظاہرہ نہ کر سکا۔ بعد میں جب شاہ نے اپنے ساحل سمندر پر واقع قصر میں دنیا بھر سے آئے ہوئے صحافیوں اور ٹیلیویژن، ریڈیو اور ایجنسیوں کے نمائندوں کو شرف باریابی بخشا، تب بھی انہوں نے پوری دنیا کے پریس کے سامنے پاکستان کے موقف کو اس طرح پیش کیا گویا وہ ایک ملک کے شاہنشاہ نہیں بلکہ پاکستان کے مندوب ہوں۔ اس اجتماع میں انہوں نے کھل کر پاکستان کے خلاف جارحیت اور بنگلہ دیش کی تکوین و تخلیق کو بین الاقوامی صہیونیت، یہودیت، ہندوازم، کمیونزم اور کفر کی سازش قرار دیا کہ سرخ اور سفید کفر دنیا کے نقشے پر اس خوبصورت اور طاقتور اسلامی نشان کو ابھرتے ہوئے نہ دیکھ سکا۔

کانفرنس کے اختتام پر جب میں ریاض گیا تو دوبارہ شاہ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ شاہ جتنی دیر تشریف فرما رہے، پاکستان کے احوال پر گفتگو کرتے رہے اور پاکستان کے بائیں بازو کے کٹنے پر کفِ افسوس ملتے رہے۔ اسی رات جب میں شاہ کے چچا شہزادہ عبداللہ کے

ہاں گیا تو میں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر شاہ کے گہرے دکھ اور رنج کا ذکر کیا۔ تب انہوں نے مجھے بتلایا کہ جس دن مشرقی پاکستان کا سقوط ہوا وہ دن شاید تاریخ کا پہلا دن تھا جب حرمِ شاہی میں کھانا نہیں پکا اور شاہ دیر تک روتے رہے۔

پاکستان سے شاہ کی محبت سارے سعودی عرب میں ضرب المثل بن چکی تھی۔ سعودی عرب کے لوگ ازراہِ مذاق کہا کرتے تھے کہ شاہ کا بس چلے تو وہ سارے سعودی عرب کو پاکستان بنا ڈالے شاہ کا شاید ہی کوئی بین الاقوامی خطاب یا انٹرویو ایسا ہوتا تھا جس میں وہ پاکستان کا تذکرہ نہ کرتے یا پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں کا ذکر نہ کرتے چنانچہ پاکستان کی گری ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے اور اس کی مجروح عزت کو دوبارہ بحال کرنے کے لئے شاہ نے ہی اسلامی سربراہی کانفرنس کے پاکستان میں انعقاد کا منصوبہ پیش کیا تھا چنانچہ آج ہر کس و ناکس یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ پاکستان میں اسلامی سربراہی کانفرنس کے انعقاد کا کریڈٹ اگر کسی کو جاتا ہے تو شاہ کو جاتا ہے . . . کہ انہوں نے اس کے انعقاد اور اسے کامیاب بنانے کے لئے نہ صرف ذاتی طور پر توجہ دی اور تگ و دو کی بلکہ اس کے معتد بہ اخراجات کا بار بھی خود اٹھایا اور یہ پاکستان سے محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے بنگلہ دیش کو زندگی کے آخری لمحات تک نہ صرف تسلیم نہ کیا بلکہ اسے مشرقی پاکستان ہی سمجھتے اور کہتے رہے۔

آخری مرتبہ شاہ سے ملاقات کا موقع مجھے اِس سال حاصل ہوا جب کہ شاہ موصوف کی دعوت پر میں نے ایامِ حج میں حرمین شریفین پر حاضری دی۔ یہ عجیب بات تھی کہ اس دفعہ شاہ سے ہر دفعہ سے کہیں زیادہ تقریباً سات مرتبہ ملاقات ہوئی۔ پہلے ۶ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں، دوسری مرتبہ غسلِ کعبہ کے موقع پر، تیسری مرتبہ عید کے دن منیٰ میں اور پھر چار مرتبہ جدہ میں۔ شاہ فیصل آخری دنوں میں انتہائی رقیق القلب ہو چکے تھے۔ بات بات پہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے اور مسلمانوں کی معمولی سے معمولی تکلیف انہیں تڑپا دیتی۔ چنانچہ جب بھی کبھی بیت المقدس کا ذکر چھڑ جاتا یا دنیا کے کسی خطہ کے مسلمانوں پر مظالم کا تذکرہ ہوتا تو وہ بھری مجلس میں آبدیدہ ہو جاتے۔ اور انہیں اپنے آنسوؤں پر اختیار نہ رہتا۔

انہی ایام میں لوگوں نے ہمیں بتلایا کہ جب شاہ کو پاکستان کے شمال مشرقی علاقے میں زلزلے کی تباہ کاریوں کا حال معلوم ہوا تو وہ بے چین ہو گئے اور سب سے گرانقدر عطیہ کا اعلان کیا . . . وہ شاہ فیصل ہی تھے جو جملہ مسلمانوں کے تمام مسائل میں دلچسپی لینے اور ان کا درد اپنے سینے میں محسوس

کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ دنیا کے کونے کونے میں بسنے والا مسلمان انہیں اپنی مصیبتوں کا ساتھی اور اپنی پریشانیوں کا مداوا سمجھتا تھا اور اسی چیز نے اس آخری دور میں انہیں وہ عزت اور وہ مقام عطا کیا جو اس صدی میں کسی بھی مسلمان حکمران کو حاصل نہیں ہو سکا۔

شاہ فیصل کی سیرت ایک طویل مضمون کی متقاضی ہے جس کے لئے شاید یہ مختصر صفحات متحمل نہ ہوں۔ آخر میں ہم ان کے لئے رب کریم کی بارگاہ میں عجز و نیاز سے یہی سوال کرتے ہیں کہ اللہ ارحم الراحمین ان کی لغزشوں سے درگذر کرے، ان کے درجات بلند کرے اور ان کے وارثین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ے وما کان قیس هلکه هلك واحد
ولکنه بنیان قوم تهدّما